© rasailojaraid.com



ہر ایک جا سبزہ سرو قدِ دلجو ... ہر یک نازک میان و عنبریں مو
گلوں کے کان کہتے ہیں کہ بلبل ... یہی کشمیر ہے اور یہی کابل
وہ بے شک وقت کا شاہِ جہاں ہے ... جو کوئی متوطنِ ہندوستاں ہے [1]

جعفر علی حسرت لکھنوی نے دہلی کی تعریف میں یوں لکھا ہے:

وہ باغ جس میں کہ گلرو تھے سب حسیں گُل سے ... اور اُن کی زلفیں فزوں تر تھیں جعدِ سُنبل سے
چمن کے رشک تھے رخسار و خط دکاکل سے ... دراز اس پہ ہو دستِ ستم تطاول سے
دریغ مٹ گیا نقشا، رہا نہ وہ خط و خال

ہر ایک سنگ تجلیٔ طور جس سے عیاں ... ہر ایک خشتِ عمارت تھی صاف آئینہ ساں
تمام آئینہ خانہ وہ شہر اور اُس کے مکاں ... ہر ایک کوچے میں نہر اور اس میں آبِ رواں
اور اُس میں عکسِ عیاں آئینہ (میں) جوں تمثال [2]

دہلی کا ماتم کرتے ہوئے سودا نے لکھا ہے:-

جہاں آباد کب تو اس ستم کے قابل تھا ... مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں اُٹھا دیا گویا کہ نقشِ باطل تھا ... عجب طرح کا یہ بحرِ جہاں میں ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھی خلق موتی رول [3]

خواجہ میر درد نے شہر مبارک دہلی کی تباہی و بربادی کا یوں ماتم کیا ہے:

"شہر مبارک دہلی کہ روضۂ مقدسۂ حضرت قبلۂ کونین قدسنا اللہ بسرہ سرہ دراں است وخدا ایش تا قیامت آباد دارد- عجب گلستاں بود وحالا پامالِ خزانِ حوادثِ زمانہ گشتہ وطُرفہ انہار و اشجار آبادیہای مردمان ہر جنس داشت واکنوں تاراج صدمات دہر شدہ بہر وجہ در تمام روئے زمین چوں روی محبوبانِ مہوش و مانند سبزۂ خط ایشاں دلکش بود...

[1] دیوان زادہ (قلمی) ص ۳۹۳ - ۳۹۴ - [2] "مخمس دراحوال دہلی" نقوش (اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء) ص ۲۳۵

[3] کلیاتِ سودا (نول کشور سنہ ۱۹۳۲ء) ج ۱- ص ۳۷۰ - ۳۷۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دہلی کہ خراب کردہ اکنوں دہرش
چوں خطِ بتاں بود سوادِ شہرش
جاری شدہ اشکہا بجائی نہرش
بودست ایں شہر مثلِ روی خوباں [1]

میرؔ نے بھی اپنی غزلوں میں جابجا دل اور دلّی کے مرثیے لکھے ہیں، یہاں دل ان کی شخصیت کی داخلی فضا کا استعارہ SYMBOL ہے اور دلّی گویا اٹھارھویں صدی کے اس تہذیبی ماحول کی علامت ہے جس نے ہندوستان کے حکمراں مسلمانوں کا ایک خاص ہند ایرانی مزاج بنایا تھا، اور ایک ایسی تہذیب وضع کی تھی جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے بہت مقبول و معروف رہی، میرؔ نے دلّی کے سیاسی زوال ہی کا ماتم نہیں کیا، اس کی تہذیب، اس کے باشندے اُس کی زبان، یہ سب انھیں عزیز تھیں۔

دلّی کے نہ تھے کوچے اوراقِ مصوّر تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

ہفت اقلیم ہر گلی ہے کہیں
دلّی سے بھی دیار ہوتے ہیں

جہاں اب خارزاریں ہو گئی ہیں ؛ یہیں آگے بہاریں ہو گئی ہیں

خرابی دل کی اس حد ہے کہ یہ سمجھا نہیں جاتا ؛ کہ آبادی بھی یاں تھی یا کہ ویرانہ تھا مدت کا

یا ہر گلی میں سیکڑوں جس جا ملیح تھے ؛ یا زلف و خط کو دیکھتے ہیں خال خال ہم

اُڑتی ہے خاک شہر کی گلیوں میں اب جہاں ؛ سونا لیا ہے گودیں بھر کر وہیں سے ہم

اب خرابا ہوا جہان آباد ؛ ورنہ ہر قدم پہ یہاں گھر تھا

یہاں میرؔ کے سماجی ماحول کو سمجھنے کے لئے دہلی کے رسم و رواج، میلے ٹھیلے، لباس و زیورات،

---

[1] رسالۂ نالۂ درد۔ ص ۲۰ –

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



محلات، مدرسوں، خانقاہوں، بازاروں، ادبی مجلسوں کا ایک اجمالی بیان کیا جائے گا جس سے یہ واضح ہو جائے کہ اس معاشرے کی ترکیب کن اجزا سے ہوئی تھی جس میں میر نے آنکھ کھولی، اور جہاں ان کے ذہن نے ابتدائی اثرات قبول کئے، اُن کی شخصیت کا سانچا بنا اور اُن کی فکر کو خام مواد حاصل ہوا، اس ماحول کا عکس یا تلمیحات ان کے کلام میں بھی بکثرت دستیاب ہوتی ہیں، اس طرح یہ تہذیبی مطالعہ اُن کی شاعری اور شخصیت کے مرقع کا (Frame) کہا جا سکتا ہے۔

رسوم و رواج (الف) ولادت۔

مختلف رسوم و رواج انسان کی سماجی زندگی کا نظام بناتے ہیں، اٹھارھویں صدی عیسوی کی رسمیں مذہبی یا اخلاقی نقطۂ نظر سے خواہ قابلِ اعتراض ہوں (اور یہ واقعہ ہے کہ ان کی اصل اسلامی نہیں تھی) لیکن وہ ہندوستان کے مشترک تہذیب و تمدن کی نمائندگی کرتی ہیں، یہ رسوم استقرارِ حمل سے لے کر انسان کی موت کے بعد تک جاری رہتی تھیں، چنانچہ پیدائش سے پہلے ستوانسا کی رسم، نویں مہینے میں بی بی کی صحنک، اور پیدائش کے وقت رت جگا، اُس دور میں ہر طبقے میں ہوتا تھا، پیدائش کے تیسرے دن، پٹی کی رسم ادا ہوتی اور اس کے بعد چھٹی[1] ساتویں دن عقیقہ[2] کی رسم ادا ہوتی تھی، اور چودھویں دن چلّہ ہوتا تھا جس میں زچّہ غسل کرتی تھی۔

امرا پہلی سال گرہ خصوصاً اور ہر سال گرہ عموماً بڑے دھوم دھام سے مناتے تھے:

اس جشن کے سلسلے میں شاہ عالم بادشاہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

آج بھئی اے بھلی برس گانٹھ جہاندار شاہ پیارے کی
ساتھ سکھی مل بن بن آؤ، دیہو مبارکباد اللہ نستارے کی[3]

---

[1] چھٹی تک غرض تھی خوشی ہی کی بات ÷ کہ دن عید اور رات تھی شب برات : مجموعۂ مثنویات میر حسن دہلوی ۲۶

برائے تفصیل ملاحظہ ہو، قانونِ اسلام (انگریزی) ص ۲۳، ۲۴، نادراتِ شاہی - ص ۱۱۴، ۱۲۲، ۹۵

[2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی - ص ۸، قانونِ اسلام (انگریزی) ص ۳۰، PS ، ۱۱

[3] نادراتِ شاہی - ص ۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



گاوت منگل چار سبے تیہ آپس میں رل رات جگائی

باجت تال مہچنگ پکھاوج، گاوے گنی، نوچھاور پائی

لاکھوں سال ہلاس بلاس سوں، راج کرو سکھ سوں سکھ دائی

اکبر شاہ کی سال گرہ، شاہ عالم کو سب دیت بدھائی [1]

پانچ برس کی عمر میں لڑکے اور لڑکی کی تعلیم شروع کی جاتی تھی، اسے بسم اللہ خوانی کہا جاتا تھا۔

آج مہندی لگاؤں کو اکبر شاہ پیارو لایو

انہیں رنگیلی مہندی بسم اللہ کی جنیا بیگم کے گھر رچایو [2]

لڑکے کے ختنہ کی رسم عام طور پر نویں برس میں ادا کی جاتی تھی اور اس موقع پر بھی ضیافتیں ہوتی تھیں، ماہِ رجب کی بائیسویں تاریخ اس کے لئے متبرک سمجھی جاتی تھی، [3] نواب میر جعفر خاں، صوبہ دار بنگال کے لڑکے مبارک الدولہ نے اپنے فرزند کی تقریبِ ختنہ میں پینتیس ۳۵ ہزار روپیہ صرف کیا تھا، وہ خلعتیں جو اس موقع پہ تقسیم کی گئیں اس کے علاوہ تھیں [4]

(ب) شادی بیاہ | امیر گھرانوں میں منگنی کی رسم بڑی دھوم دھام سے ادا کی جاتی تھی [5] اس رسم کو شادی کی لگن دھرنا بھی کہا جاتا تھا [6] محرم کے مہینے میں خاص طور اور کچھ منحوس دنوں اور مہینوں میں مسلمان شادی کی رسومات ادا کرنے میں گریز کرتے تھے [7] اگر منگنی کے بعد کسی وجہ سے شادی ملتوی کرنی

---

[1] نادراتِ شاہی۔ ص ۱۰۴-۱۰۵-۱۱۰-

برس گانٹھ جس سال اُس کی ہوئی ٭ دل بستگان کی گرہ کھل گئی

مجموعہ مثنویات میر حسن دہلوی۔ ص ۲۶ [2] نادراتِ شاہی ص ۱۰۵، نیز مجموعہ مثنویات میر حسن دہلوی۔ ص ۳۱-۳۲ سیر المتاخرین (فارسی) ج ۲۔ ص ۶۳۵، رسالۂ زبادہ (قلمی) ص ۴۸ ب [3] دیوانِ رشید (قلمی) ص ۲۵ (الف) ۲۵ (ب) ۲۶ (ب) [4] سیر المتاخرین (فارسی) ج ۲۔ ص ۸۲۲

[5] برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ کلیاتِ سودا۔ (نول کشور ۱۹۳۲ء) ج ۲۔ ص ۱۰۶، واقعاتِ اظفری۔ ص ۸۱

[6] تفصیل کے لئے، کلیاتِ سودا۔ ج ۲۔ ص ۱۴۳، ۱۶۰، ۱۹۰، ۲۰۸، ۲۹۰، مثنوی سحر البیان (نول کشور ۱۹۴۵ء) ص ۱۲۱ - تاریخ بلدۂ نجیب آباد۔ ص ۵ [7] مثنوی سحر البیان۔ ص ۱۹۷، کلیاتِ سودا۔ ج ۲۔ ۱۴۴، ۱۹۱، ۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پڑتی تو ایسی صورت میں ایک رسم ادا کی جاتی تھی جس کو دہلیز کد وانا کہتے تھے۔[۱] شادی کی آخری رسموں کے ادا ہونے میں تین دن اور تین راتیں لگتی تھیں، پہلی رسم ساچق، دوم مہندی اور سوم برات کی رسم ہوتی تھی۔[۲] ساچق وہ رسم کہلاتی تھی جس میں شادی کے تحائف دولہا کی طرف سے بڑی شان و شوکت سے دلہن کے گھر بھیجے جاتے تھے۔[۳] مہندی کی رسم میں دولھا کے گھر پسی ہوئی مہندی بھیجی جاتی تھی،[۴] برات کے دن دولھا کو گرم پانی سے منڈوا کے نیچے بٹھا کر نائن غسل کراتی تھی، اور اس موقع پر اس کے بدن پر تیل ملا جاتا تھا۔ یہ رسم "تیل چڑھانا" کہلاتی تھی۔[۵] پھر دولھا کے ہاتھ میں کنگن باندھا جاتا تھا۔ یہ "شادی کا ڈورا" کہلاتا تھا۔[۶] بری کی رسم کے مطابق دولھا کے کپڑے (یا جوڑا) دلہن کے گھر سے آتے تھے، کپڑے پہنانے کے بعد اس کے سر سے سہرا باندھا جاتا تھا، دولھا کے سر پر پگڑی اور کاندھوں پر شال ڈالی جاتی، سہرا باندھنے والوں کو نیگ کی رسم کے مطابق کچھ انعام دیا جاتا۔[۷]

امیر الامراء حسین علی خان کی شادی میں جو سہرا تیار ہوا تھا، اس کی تیاری میں پچیس ۲۵ ہزار روپے صرف

---

[۱] قانونِ اسلام (انگریزی) ص ۹۵-۹۶ [۲] OBSERVATIONS ETC, I, P 373

[۳] کلیاتِ سودا۔ ج ۲۔ ص ۱۴۴، ۱۶۰، ۲۶۰، نیز ملاحظہ ہو مثنوی میر عبدالجلیل واسطی بلگرامی، تذکرہ گلزار ابراہیم (قلمی رام پور) ص ۱۵۵ (الف)۔ چہار گلزار شجاعی (قلمی) ص ۵۰ب [۴] نادراتِ شاہی

اے ای مائی گائے بجائے آنند سوں رچاؤ : اکبر شاہ کی مہندی کا اینک جتن سوں رچاؤ

ص ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۱۹، ۱۲۲

[۵] کلیاتِ سودا۔ ج ۲۔ ص ۱۴۳ - ۱۶۲

[۶] باندھا کنگن تیرے سکھ کرنے کو ہاتھ : کیا میں جانے تھی کریوں بچھڑے گا ساتھ

کلیاتِ سودا

[۷] آگے یہ آنکھیں گلے کی ہار ہی رہتی تھیں روز : اب جگر میں خوں نہیں دے سہرے سے آنسو کہاں

سہرے کہاں تک پڑیں آنسوؤں کے چہرے پر : گریہ گلے ہی کا ہار دیکھئے کب تک رہے

کلیاتِ میر۔ ص ۲۹۹، ۶۷۶

لاگے اے مالنیاں رن کی چمن سے پھلوار : گوندھ رشتہ کے لئے آج گلِ زخم کے ہار

تار گتھنے کا کرد سہرا کے لوہو کے دھار : گاڑ دروازے پر تم باندھ کے یہ بندھوار

کلیاتِ سودا۔ ج ۲۔ ص ۱۹۷

نیز ملاحظہ ہو۔ قانونِ اسلام (انگریزی) ص ۱۰۹ - ۱۱۰ - نادراتِ شاہی۔ ص ۹۰، ۱۰۲، ۱۱۰ - ۱۰۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہوئے تھے۔[1]

برات کی روانگی کے ساتھ آتشبازی کثرت سے چھوڑی جاتی تھی۔[2] ناصر جنگ کی شادی میں ایک ماہ تک آتشبازی کے چھوڑنے کا سلسلہ جاری رہا تھا۔[3] جب برات دلہن کے دروازے پر پہونچ جاتی تھی تو ایک رسم ادا کی جاتی تھی جو دھنگانا کہلاتی تھی۔[4] اٹھارھویں صدی کے مسلمانوں کے ہاں عام طور پر اس رسم کو ادا کیا جاتا تھا، نکاح قاضی پڑھاتا تھا اور مہر حیثیت سے زیادہ (یا اسلامی طریقہ کے خلاف) ہی طرفین کی رائے سے قرار پاتا تھا۔[5] شاہی گھرانے کے افراد اور امیروں کے مہر بہت بڑے ہوتے تھے، محمد شاہ بادشاہ کا مہر پچاس لاکھ روپے تھا۔[6] فرخ سیر بادشاہ کی شادی میں قطب الملک عبداللہ خان نے پچاس لاکھ کی لاگت کے ہیرے جواہرات کا ایک کنٹھا اور امیر الامراء حسین علی خاں نے بیس ہزار روپے نقدی اور جڑاؤ کٹار، جس کی قیمت تیس ہزار روپے تھی، بادشاہ کی خدمت میں پیش کی تھی۔[7] توہمات پرستی کے عمل ایسے موقع پر بالخصوص اہمیت رکھتے تھے اور لازمی سمجھے جاتے تھے، میر حسن دہلوی نے لکھا ہے:-

وہ جلوے کا ہونا وہ شادی کی دھوم ؛ وہ آپس میں دولھا دلہن کی رسوم
کسی نے لیا ئی سر و نج آن کر ؛ کوئی گالیاں دے گئی جان کر
گئی کوئی واں گال سے کچھ لگا ؛ گئی کوئی دولہن کی جوتی چھوا
چُنائی نبات اس کو اس گھات سے ؛ کہ ڈھکا دیا ہر گھڑی بات سے
عجب طرح کی رنگ رلیاں ہوئیں ؛ کہ باتیں وہ مصری کی ڈلیاں ہوئیں
وہ سب ہو چکی جب کہ رسم و رسوم ؛ سواری کی ہونے لگی پھر تو دھوم[8] (باقی)

---

[1] تذکرۂ آرزو (قلمی) ص ۱۷۰ [2] مجموعہ مثنویات میرحسن دہلوی۔ ص ۱۲۳۔ عماد السعادت (قلمی) ص ۳۳ ب۔
[3] احوال الخواقین (قلمی) ۲۲۱ ب۔ شہزادوں اور امیرزادوں کی براتوں کی دھوم دھام، شان و شوکت، اور رقص و سرود کی مجلسوں کے مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ مثنویات میرحسن دہلوی۔ ص ۱۲۱ تا ۱۲۵۔ [4] منوچی۔ ج سوم۔ ص ۱۵۱۔ ۱۵۲
[5] نکاح کے بعد مہمانوں کی تواضع کی جاتی تھی۔ سہ

ہوا جب نکاح اور بٹے ہار پان ؛ پلا سب کو شربت دیئے خاصدان

مجموعہ مثنویات میرحسن دہلوی - ۱۲۶ صحیفۂ اقبال (قلمی) ص ۳۱ ب
[6] صحیفۂ اقبال (قلمی) ۳۱ ب [7] تاریخ مبارک نامہ (قلمی) ص ۷۹ ب
[8] برائے تفصیل۔ مجموعہ مثنویات میرحسن دہلوی۔ ص ۱۲۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## ادبیات

# زائرینِ حرم سے

جناب آلم مظفر نگری

تمہیں تو ہو جنھوں نے چشمۂ زمزم بھی دیکھا ہے
خدا کا گھر درِ محبوبِ دو عالم بھی دیکھا ہے

اِدھر شامِ حرم کا گیسوئے برہم بھی دیکھا ہے
اُدھر یثرب کی صبحِ نور کا عالم بھی دیکھا ہے

بڑھائیں لذتیں ذوقِ وفا کی ہر صعوبت نے
کمالِ زندگی جو بن گیا وہ غم بھی دیکھا ہے

نجومِ صبح پر رہتا ہے جو ہر لمحہ چشمک زن
حرم کی گود میں وہ منظرِ شبنم بھی دیکھا ہے

بنایا جس نے یثرب کو جوابِ روضۂ رضواں
تمہاری آنکھ نے وہ جلوۂ پیہم بھی دیکھا ہے

فرشتے رات دن کرتے ہیں سجدے جس کے سائے میں
ہر اک محرابِ بیت اللہ کا وہ خم بھی دیکھا ہے

تمہاری ہر نظر کہتی ہے کہ وقتِ دعا ہم نے
غلافِ کعبۂ اقدس کا پیچ و خم بھی دیکھا ہے

تمہارے شوقِ بیحد نے بوقتِ گریہ وزاری
طواف و ملتزم میں جلوۂ کم کم بھی دیکھا ہے

منیٰ سے جانبِ عرفات جب پہنچے تو نمرہ میں
نمازِ عصر پڑھ کر لطفِ کیف و کم بھی دیکھا ہے

کھڑے تھے جب مقابل بیخودی میں کوہِ رحمت کے
تو اشکِ غم کا ہر موتی بچشمِ نم بھی دیکھا ہے

بروزِ فتحِ مکہ سایہ افگن تھا جو کعبے پر
تصور کی نظر سے تم نے وہ پرچم بھی دیکھا ہے

صفا کی چوٹیوں پر چشمِ دل سے بے حجابانہ
فروغِ لمعۂ پیشانئ آدم بھی دیکھا ہے

بذوقِ والہانہ غیر ذی زرع کی وادی میں
براہیمی زباں کا وعدۂ محکم بھی دیکھا ہے

ہو تم وہ جم وہ اسکندر کہ تم نے دل کو پہلو میں
نہ صرف آئینہ بلکہ رشکِ جامِ جم بھی دیکھا ہے

بتائیں اہلِ دل انصاف سے اُن کی نگاہوں نے
آلم ایسا رموزِ عشق کا محرم بھی دیکھا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



# تبصرے

**مسلمانوں کے سیاسی افکار:** از پروفیسر رشید احمد: تقطیع متوسط، ضخامت ۴۳۲ صفحات کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد پانچ روپے پچھتر پیسے' پتہ:- ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور۔

مسلمانوں نے اپنے عہدِ عروج واقبال میں جہاں اور دُنیا بھر کے علوم وفنون کی طرف توجہ کی اور ان میں طرح طرح کی گلکاریاں کیں، انھوں نے سیاست کو بھی اپنی فکر اور کاوش وتحقیق کا موضوع بنایا، چنانچہ ان میں ابن الربیع، فارابی، ماوردی اور طوسی وابن خلدون جیسے نامور محقق اور مفکر پیدا ہوئے، انگریزی اور عربی میں ان مفکرین پر کافی اور اچھی اچھی کتابیں لکھی گئی ہیں، اس سلسلہ میں پروفیسر ہارون خان شیروانی کی کتاب

THE DERABPMENF OF POLITICAL THOUGHT IN ISLAM اور

پروفیسر عمر فروخ کی کتاب "تاریخ الفکر الاسلامی" خاص طور پر ذکر کے لائق ہیں، زیرِ تبصرہ کتاب بھی اُردو میں اسی موضوع پر ہے اس میں قرآن مجید کے نظریۂ مملکت وسیاست پر گفتگو کرنے کے بعد فارابی، ماوردی، نظام الملک طوسی، کیکاؤس، غزالی، ابن الطقطقی، ابن تیمیہ، ابن خلدون اور پھر شاہ ولی اللہ، سرسید، جمال الدین افغانی اور ڈاکٹر اقبال، ان میں سے ہر ایک کے سیاسی افکار ونظریات پر الگ الگ مستقل ابواب میں بحث کی گئی ہے، اور اس طرح قاری کو اس ایک کتاب کے مطالعہ سے بیک وقت قدیم وجدید مفکرینِ اسلام سے اور ان کے سیاسی افکار سے تعارف ہوجاتا ہے، لیکن اس طرح کی علمی تصنیف میں یہ بات بُری طرح کھٹکتی ہے کتاب میں مآخذ کا باقاعدہ حوالہ نہیں ہے، پھر بعض مندرجات صحیح بھی نہیں ہیں، مثلاً ص ۲ پر قرآن کی وجہ تسمیہ یہ بتانا کہ یہ کتاب دقیق معانی اور عمیق اسرار کی حامل ہے، حالانکہ قرآن یا قرن سے مشتق ہے یا قرء وقراۃ سے اور دونوں صورتوں میں دقیق معانی یا عمیق اسرار کا کوئی دخل نہیں، اسی طرح ص ۱۲۴ پر ماوردی اور کیکاؤس کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے یہ لکھنا کہ ماوردی خیالی دنیا میں رہتا ہے اور کیکاؤس حقائق سے کبھی چشم پوشی نہیں کرتا، انصاف سے بہت بعید ہے۔ علاوہ ازیں ص ۳۸ پر قرآن کی جو آیت درمیان میں نقل

© rasailojaraid.com